

حضرت مولانا محمد طابین مظاہر صدر مجلس علمی کراچی

مروجہ استحصالی ظالمانہ معاشی نظام کا خاتمہ

اس کی جگہ اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کا قیام اور استحکام ایک نہایت
اہم لیکن مشکل ترین مسئلہ اور اس کے حل کا طریق کار
(۲)

جس کی وجہ سے شارع نے اس کو حرام و ممنوع ٹھہرایا ہے، اگر وہ اس پر غور فرماتے اور اس میں وہ حضرات
مفسرین کرام کی ان عبارات و تصریحات کو بھی دیکھتے اور اُن سے فائدہ اٹھاتے جو انہوں نے اپنی تفاسیر کے اندر رب
کی حقیقت اور اس کے حرام ہونے کی علت سے متعلق تحریر فرمائی ہیں، اور پھر اُس کی روشنی میں موجودہ معاشی نظام
کے اُن پہلوؤں کا گہرا اور تحقیقی جائزہ لیتے جو اُپر ذکر کیے گئے تو وہ یقیناً اس نتیجہ تک پہنچتے کہ ان پہلوؤں میں بھی
وہ برائی پوری طرح موجود ہے جس کی وجہ سے بیگنوں والا سود حرام و ممنوع ہے، لہذا وہ کبھی یہ نہ کہتے کہ معاشی نظام
کے یہ پہلو اسلام کے مطابق ہیں ان میں کسی بنیادی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔

یہاں ایک یہ بات بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جس ملک و معاشرے کا معاشی نظام سرمایہ دارانہ
ہو جو اپنے بعض بنیادی اصولوں کی بنا پر سود کو قانوناً جائز قرار دیتا ہے اس میں کبھی یہ بحث نہیں کی جاتی کہ نفس
سود جائز ہے یا ناجائز یا یہ کہ اس کی کونسی قسم جائز ہے اور کون سی قسم ناجائز، اس میں سود کے متعلق اگر کبھی
کوئی بحث کی جاتی ہے تو وہ اس کی شرح سے متعلق ہوتی ہے کہ کن حالات میں شرح سود کتنی ہونی اور کتنی نہ ہونی
چاہیئے، بہر حال چونکہ نظام سرمایہ داری میں انٹرسٹ یعنی سود کوئی بری چیز نہیں لہذا اس کے تمام اداروں میں
سود کا عنصر کم و بیش ضرور موجود ہوتا ہے بینکاری کا ادارہ ہو یا بیمہ کاری کا ادارہ، درآمدی برآمدی تجارت کا ادارہ
ہو یا کارخانہ داری کا ادارہ، ہوائسٹ اسٹاک کمپنیوں کا ادارہ ہو یا اجارے اور کرایہ داروں کا ادارہ، گویا نظام سرمایہ
داری کے چھوٹے بڑے سب اداروں میں سود اس طرح جاری ساری ہوتا ہے جس طرح ایک زندہ جسم کے جملہ
اعضاء میں خون جاری ساری ہوتا ہے بنا بریں نظام سرمایہ داری کو بحیثیت ایک کل کے قائم رکھتے ہوئے اُس
کے کسی ایک جزہ مثلاً بینکاری کے ادارہ کو سود سے پاک کرنے کی کوشش کرنا، ایک بالکل ناکام اور لا حاصل
کوشش ہوتی ہے کیونکہ جزہ کا مزاج ہمیشہ کل کے مزاج کے تابع رہتا ہے۔ چنانچہ اس کا نمایاں ثبوت یہ کہ

مرحوم جنرل ضیاء الحق کے دور میں بینکوں کے ادارہ کو سود سے پاک کرنے اور اسلامی بنانے کے لیے ماہرین اقتصادیات کا ایک پینل تشکیل دیا جس میں اسلامی نظریاتی کونسل کے بھی بعض ارکان شریک تھے، اس پینل نے طویل محنت و کاوش کے بعد ایک کافی مفصل رپورٹ پیش کی جس کا عنوان تھا ”بلا سود بینکاری“ اور پھر اس کو شائع بھی کیا گیا اس رپورٹ میں یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ بینکاری کی جو موجودہ شکل ہے وہ قطعی طور پر سودی اور غیر اسلامی ہے اس کو اسلامی اور غیر سودی بنانے کے لیے متبادل کے طور پر متعدد تجاویز پیش کی گئیں اور کہا گیا کہ ان تجاویز میں پیش کردہ معاملات کی بنیاد پر بینکاری کی جائے تو وہ غیر سودی بھی ہوگی اور اسلامی بھی، لیکن اسی پینل کے ایک ممبر نے جن کو ماہر اقتصادیات کی مسلمہ حیثیت سے اس میں شریک کیا گیا تھا کیونکہ انہوں نے زندگی کا بڑا حصہ سود کی تحقیق و ریسرچ میں صرف کیا تھا جیسا کہ ان کی سود کے موضوع پر شائع شدہ کتابوں اور تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے اُس ممبر سے میری مراد پروفیسر شیخ محمود احمد ہیں جن کا کچھ ہی عرصہ پہلے لاہور میں انتقال ہوا، پینل کی رپورٹ کے متعلق اپنے اختلافی نوٹ میں لکھا کہ رپورٹ میں سود کے متبادل جتنے معاملات پیش کیے گئے ہیں وہ اپنی حقیقت عرض اور معروضی نتائج کے لحاظ سے سود کے مترادف ہیں لہذا غیر اسلامی ہیں، علاوہ ازیں اس رپورٹ میں سود کے متبادل تجویز کردہ معاملات میں ایک معاملہ مدفع و نقصان میں شرکت کے نام سے بھی پیش کیا گیا اور اُس کا نفاذ بھی عمل میں آیا، متعدد علماء کرام نے اس کے غیر سودی ہونے کی تردید کی اور دلائل کے ساتھ بتلایا کہ یہ بھی اپنی حقیقت معروضی و غایت اور اپنے معروضی اثرات و نتائج کے لحاظ سے سودی معاملہ ہے، اس پر میرا بھی ایک مضمون متحد ماہناموں اور ہفت روزوں میں کثرت کے ساتھ شائع ہوا اور علماء کرام کی نظر سے گزرا اور کسی نے اس کے خلاف کچھ نہیں لکھا۔

مقصود عرض کرنے کا یہ ہے کہ جس ملک و معاشرے میں بنیادی طور پر سرمایہ دارانہ معاشی نظام رائج ہو چونکہ اُس کے اندر سرمایہ کاری کی ایسی بکثرت تشکیلیں موجود اور قانوناً جائز ہوتی ہیں جن میں ایک فریق دوسرے کو کاروبار وغیرہ کے لیے سرمایہ اس شرط پر دیتا ہے کہ اس کا سرمایہ قرض کی طرح محفوظ رہے گا اور وقت کے لحاظ سے اس میں کچھ نہ کچھ اضافہ بھی ضرور ہوگا، لہذا اس کے اندر بینک کا ادارہ بھی صرف اسی طریقہ سے کام کر سکتا ہے یعنی وہ دوسروں سے جو مال لے اس کی حیثیت واجب الادا قرض کی اور مدت کے لحاظ سے اس پر اضافہ بھی ضرور ہو۔ اسی طرح بینک جن لوگوں کو کاروبار وغیرہ کے لیے مال دے اس کی حیثیت بھی واجب الاداء قرض کی اور اس پر اضافہ ضروری ہو، مالی لین دین کا یہ طریقہ، سودی طریقہ کہلاتا ہے، بینک اس طریقہ کے سوا دوسرے کسی ایسے طریقہ سے اپنا کاروبار جاری نہیں رکھ سکتا جس میں مال واسے فریق کے لیے کچھ اضافہ کے ساتھ اصل مال کی واپسی کی ضمانت نہ ہو، مثلاً مضارب کا طریقہ کہ اس میں اضافہ تو درکنار اصل مال کی واپسی کی ضمانت

نہیں دی جاسکتی کیونکہ اس میں مال والے فریق کام کرتے والے فریق کے پاس جو مال ہوتا ہے واجب الاداء قرض کے طور پر نہیں ہوتا بلکہ امانت کے طور پر ہوتا ہے، امانت والے مال کا شرعی حکم یہ ہے کہ وہ اگر کسی ارضی مساوی آفت سے ضائع ہو جائے تو اس کا نقصان امانت والے صاحب مال کو برداشت کرنا پڑتا ہے جب کہ قرض کا مال ضائع ہو جانے کی شکل میں بھی مفروض کو ضرور ادا کرنا پڑتا ہے قرض خواہ کسی نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوتا، لہذا سرمایہ دارانہ معاشی نظام میں بینک کا ادارہ مضاربت کی بنیاد پر نہیں چل سکتا، مطلب یہ کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام کے اندر بینک کے ادارہ کو غیر سودی طریقوں سے چلایا جاسکتا ہے وہ مغالطے کا شکار ہیں اور دھوکے میں مبتلا اسلامی بینکاری کے لیے یار لوگوں نے مختلف ناموں سے اب تک جتنے طریقے تجویز کیے ہیں وہ سب معنوی لحاظ سے سودی طریقے ہیں وہ برائی جو قرض والے سود میں پائی جاتی ہے وہ پوری طرح ان معاشی معاملات میں بھی پائی جاتی ہے جو بینکاری کے لیے متبادل طور پر تجویز کیے گئے ہیں، ان متبادل طریقوں سے بینکاری کے معروضی اثرات و نتائج سو فیصد ویسے ہی ظاہر ہونا لازمی ہے جو موجودہ سودی بینکاری کے آج ہمارے سامنے ہیں مجھے اندیشہ اس کا ہے کہ جب لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ اسلام کے نام پر جو بینکاری نظام بنایا گیا ہے معروضی نتائج و اثرات کے لحاظ سے اس میں اور سابقہ غیر اسلامی بینکاری نظام میں کوئی خاص فرق نہیں جو غنی و مالدار لوگ سابقہ سودی بینکاری والے نظام سے جس طرح فائدہ اٹھا رہے تھے وہی لوگ اسی طرح سے اس نئے بینکاری نظام سے بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں اب یہی دولت کی گردش انہی لوگوں کے درمیان محدود ہے جن کے درمیان سابقہ نظام بینکاری میں محدود تھی، عام آدمی کو جو اپنی خستہ معاشی حالت کی وجہ سے نہ بینک کو پیسہ دے سکتا اور نہ اس سے قرض لے سکتا ہے نہ سابقہ نظام بینکاری سے کوئی فائدہ پہنچتا تھا اور نہ اس نئے نظام بینکاری میں جو اسلام کے نام پر قائم کیا گیا ہے اس کو کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے تو گویا معاشرے کی پچانوے فیصد آبادی کو بینکاری کے اس نظام کی لفظی تبدیلی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور اس غیر فطری معاشی عدم توازن میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوتی جو معاشرے میں پایا جاتا ہے تو اس صورت حال کو دیکھ کر لوگوں کے اندر یہ خیال پیدا ہونا قدرتی ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کے متعلق علماء کے دعوے غلط تھے جو وہ عام مسلمانوں کے سامنے کرتے رہے کہ اس میں نہ کوئی غریب رہتا ہے اور نہ امیر بلکہ سب تقریباً برابر ہو جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ، بلکہ کچھ کمزور ایمان کے لوگ خود اسلام سے ہی بدگمان اور متنفر ہو جائیں یہ بھی بعید از عقل نہیں، رہے مخالفین اسلام تو ان کو تو ایسی صورت میں اسلام کے خلاف زہر انگھٹے اور پروپیگنڈہ کرنے کا خوب موقع ملے گا، بہر حال ایسی صورت میں اسلام کی نیکنامی کو جو نقصان پہنچے گا اس کے تمام تر ذمہ دار اور قصور دار اسلام کے وہ نادان دوست ہونگے جو بغیر سوچے سمجھے بے احتیاطی کے ساتھ اسلام کے معاشی نظام کی غلط ترمیمی کر رہے ہیں اللہ ان کو حقیقت حال

کے مجمع طور پر سمجھنے کی توفیق بخشے۔

قارئین کرام! ضمنی لیکن نہایت ضروری بحث کے بعد اب میں اپنے اصل موضوع کی طرف آتا ہوں، میں سمجھتا ہوں گذشتہ صفحات میں جو کچھ لکھا گیا اس سے مسئلہ زیر بحث کی غیر معمولی اہمیت کی وضاحت کے ساتھ اُن وجوہ بھی نقاب کشائی ہو گئی ہے جن کی بنا پر یہ مسئلہ ایک نہایت مشکل اور پیچیدہ مسئلہ بھی ہے۔

اب میں کچھ اُس طریق کار کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں جس کا اختیار کرنا میرے نزدیک اس مسئلہ کے حل کے لیے ضروری ہے۔ طریق کار کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاں تک دلی خواہش و آرزو کا تعلق ہے دوسرے بہت سے مسلمانوں کی طرح میری بھی یہی ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو ہمارے ملک پاکستان اور پاکستانی معاشرے سے موجودہ استحصالی ظالمانہ معاشی نظام ختم اور اس کی جگہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام قائم ہو، لیکن اِس عالم اسباب میں محض خواہشوں اور تمناؤں سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا بلکہ صرف اُس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ ضروری اسباب مہیا ہو جائیں جو قدرتی طور پر اُس کے لیے مقرر ہیں، یہاں مثلاً ایک بھوکے یا سہ انسان کی بھوک پیاس، محض کھانے اور پانی کی خواہش و آرزو سے دور نہیں ہوتی بلکہ اُس وقت دور ہوتی ہے جب کھانا اور پانی حاصل کر کے کھایا اور پیایا جاتا ہے، اسلام چونکہ اسی اللہ رب العالمین کا ہدایت کردہ دین ہے جس نے عالم اسباب کو پیدا فرمایا ہے لہذا اسلام کی مسلمانوں کے لیے یہ تعلیم اور ہدایت ہے کہ وہ ہر مقصد کو حاصل کرنے سے پہلے وہ اسباب و وسائل مہیا کرنے کی پوری کوشش کریں اور نتیجہ کے لیے اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب پر بھروسہ اور توکل کریں، مطلب یہ کہ توکل ترکِ اسباب کا نام نہیں بلکہ ضروری اسباب مہیا کرنے کے بعد نتیجہ کے لیے اللہ تعالیٰ پر اعتماد و بھروسہ کا نام توکل ہے جس کی اسلام میں تعلیم ہے اور جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ظاہر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ہر مقصد سے پہلے اس کے لیے ضروری اسباب فراہم کرنے کی کوشش فرمائی اور کامیابی کے لیے اللہ سے دعا کی، محض دعا پر بھروسہ نہیں فرمایا، لہذا اتباع سنت نبویؐ کے تحت ہم مسلمانوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ ہر نیک مقصد کو حاصل کرنے سے پہلے ان اسباب کو معلوم کریں جن پر اس مقصد کے حصول کا دار و مدار ہے اور پھر اُن اسباب کو مہیا کرنے کی ہر ممکن سعی و کوشش کریں اور کامیابی کے لیے نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں جو مسبب الاسباب ہے اور جس کے ہاتھ میں کامیابی کا پورا اختیار ہے۔

بہر کیف معاشرے میں معاشی نظام کی تبدیلی کا جو مقصد ہے وہ محض آرزو اور خواہش سے حاصل نہیں ہو سکتا اُس کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ اُس طریق کار اور طرز عمل کو معلوم اور اختیار کیا جائے، جو اِس عالم اسباب میں اُس کے لئے مقرر ہے، جہاں تک اِس بارے میں میرے علم و فہم اور غور و فکر کا

تعلق ہے میں سمجھتا ہوں اس سلسلہ میں سب سے پہلے کرنے کا جو کام ہے وہ قرآن و حدیث کی روشنی و رہنمائی میں اسلام کے حقیقی معاشی نظام کے تعین کا علمی و فکری کام ہے موجودہ حالات میں یہ اہم علمی کام انفرادی کی بجائے اجتماعی طریقہ سے ہونا چاہیے، مطلب یہ کہ اس اہم علمی و فکری کام کو انجام دینے کے لیے ایسے علماء کرام کی ایک جماعت مقرر کی جانی چاہیے جو قرآن و حدیث کے وسیع و عمیق علم کے ساتھ علم المعاشیات اور جدید معاشی نظاموں سے بھی ایک حد تک واقف و آگاہ ہوں، نیز ضروری ہے کہ اُس کے ارکان کھلے ذہن کے ساتھ غور و فکر اور استنباط و استخراج کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے اور استدلال کے منطقی طریقوں کو اچھی طرح جانتے ہوں اور کسی فقیہ کے اندھے مقلد نہ ہوں شفقت سے زیادہ دلیل سے متاثر ہوتے ہوں، اس جماعت کے ارکان کے لیے جدید معاشی علوم و افکار اور مروجہ معاشی نظاموں سے ایک حد تک واقفیت اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس کے بغیر قرآن و حدیث کی معاشی تعلیمات کا نہ معاشی مفہوم و مطلب اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ان کو معاشیات کی زبان میں سمجھایا اور معاشی نظام کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے، اسی طرح چونکہ مطلوبہ علمی کام اجتماعی نوعیت کا ہے لہذا اس کام کو انجام دینے والی جماعت استنباط و استخراج کی صلاحیت سے آراستہ اور استدلال کے فقہی اور منطقی طریقوں سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے۔

اس میں شک نہیں کہ موجودہ حالات میں مذکورہ اوصاف کے علماء بہت ہی کم تو ہو سکتے ہیں لیکن بالکل ناپید اور منقود نہیں اخلاص اور سنجیدگی کے ساتھ تلاش و جستجو کی جائے تو چند ایک ضرور مل سکتے ہیں ایسے علماء کو ام کو تلاش کر کے ایک جگہ جمع کرنا مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں۔ اس کام کو سرکاری اداروں کی بجائے غیر سرکاری آزاد علمی ادارے بہتر طور پر کر سکتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ غیر حکومتی اور غیر سیاسی علمی و دینی اداروں کو ہی یہ اہم علمی کام کرنا کرنا چاہیے حکومت کے کسی ادارے سے ہرگز اس کی توقع نہیں رکھنی چاہیے وجہ ظاہر ہے کسی بیان کی ضرورت نہیں۔

تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض ہے کہ مجھے گزشتہ تیس سال سے اسلامی معاشیات کے موضوع سے خصوصی دلچسپی اور اُس کی طرف بھرپور توجہ رہی ہے میں نے اس کے متعلق بہت کچھ پڑھا، سوچا اور بھر لکھا بھی ہے جس کا کچھ حصہ علمی و دینی ہفت روزہ اور ماہانہ پریچل میں شائع ہوا اور کافی حصہ اب تک شائع نہیں ہوا، اس عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ موضوع سے متعلق بہت کچھ پڑھنے، سوچنے اور غور و فکر کرنے کے بعد میں اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ قرآن و حدیث میں معاشی نوعیت کی جو تعلیمات ہیں وہ تین طرح کی ہیں ایک وہ جن کی حیثیت اخلاقی و موعظ و ترغیبات کی ہے دوسری وہ جن کی نوعیت مستقل اور حقیقی قوانین کی ہے اور تیسری وہ جن کی حیثیت وقتی اور عارضی احکام و قوانین کی ہے، ان تین طرح کی معاشی تعلیمات

کے مابین کئی وجہ سے فرق و مخالفت ہے، اول الذکر اخلاقی تعلیمات احسان پر مبنی ہیں جس کے معنے ہیں رضا کارانہ طور پر اپنے حق کا دوسرے کے لیے ایثار کرنا، بالفاظ دیگر اپنی مرضی خوشی سے دوسرے کو وہ چیز دے دینا جس کا وہ قانوناً حقدار نہ ہو، ثانی الذکر مستقل اور حقیقی قانونی تعلیمات عدل پر مبنی ہیں جس کے معنے ہیں معاملات میں ہر فریق کو اس کا حق ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا ملنا، اور ثالث الذکر وقتی اور عبوری قانونی تعلیمات وقتی مصلحت پر مبنی ہیں جس کا مطلب ہے ناموافق حالات میں نسبتاً جو بہتر ہو اس کو اختیار کر لینا، دوسری وجہ ان تین طرح کی تعلیمات کے درمیان فرق و مخالفت کی یہ ہے کہ اول الذکر اخلاقی معاشی تعلیمات کی شرعی حیثیت نفل اور مستحب کی ہے جن پر عمل کرنے نہ کرنے کا بندہ مومن کو اختیار ہوتا ہے، چاہے تو اُن پر عمل کرے اور چاہے تو نہ کرے البتہ ان پر عمل کرنا عند اللہ بڑے اجر و ثواب کا موجب ہے اور نہ کرنا عند اللہ گناہ ہے اور نہ موجب عذاب، اسلامی حکومت اُن کی پابندی پر کسی کو مجبور نہیں کر سکتی ہاں ترغیب ضرور دلا سکتی ہے مثلاً جو افراد اُن پر عمل کریں اُن کو قومی اعزازات اور خاص مراعات سے نواز سکتی ہے، جب کہ ثانی الذکر قانونی تعلیمات کی شرعی حیثیت فرض اور واجب کی ہے جن پر عمل کرنا لازمی و ضروری ہوتا ہے گویا یہ اختیاری نہیں جبری نوعیت کی ہیں، اور یہ کہ ان کی پابندی موجب اجر و ثواب ٹھیک اور خلاف ورزی موجب عقاب و سزا جرم و گناہ ہے، اسلامی حکومت ان قانونی تعلیمات کی پابندی پر شہر لیل کو مجبور کر سکتی ہے چنانچہ خلاف ورزی کرنے والوں کو تعزیری سزا دے سکتی ہے، اسی طرح تیسری تعلیمات جو وقتی اور عبوری احکام کی حیثیت رکھتی ہیں مخصوص عبوری حالات میں واجب العمل ہوتی اور حکومت اُن کی پابندی پر مجبور کر سکتی ہے، تیسری وجہ ان تین قسم کی معاشی تعلیمات کے مابین فرق و مخالفت کی یہ ہے کہ جو تعلیمات عدل پر مبنی ہونے کی وجہ سے مستقل اور حقیقی قوانین کی حیثیت رکھتی ہیں اُن پر عمل کے نتیجہ میں افراد کے معاشی حقوق پوری طرح محفوظ ہو جاتے اور معاشرے میں معاشی اعتدال و توازن وجود میں آتا ہے ہر ہر فرد کو کسی نہ کسی شکل میں بنیادی معاشی ضروریات بھی میسر آ جاتی ہیں اور معاشی ترقی کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ جب کہ احسان و ایثار پر مبنی اخلاقی تعلیمات پر عمل کرنے سے ان لوگوں کے تعلقات میں سکون بخش خوشگوار پیدا ہوتی اور عمل کرتے والوں کو اخلاقی و روحانی عظمت نصیب ہونے کے ساتھ معاشرے میں عزت اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ دوسروں پر احسان کرتا اور اُن کو نفع اور راحت پہنچانا، ایسا عمل ہے جس کو ہر انسانی معاشرے میں اچھا اور مستحسن سمجھا جاتا اور عمل کرنے والے کی تکریم و توقیر کی جاتی ہے گویا یہ ایک عالمگیر اچائی و بچائی ہے۔ رہی تیسری نوع کی عبوری معاشی تعلیمات جو وقتی مصلحت پر مبنی ہوتی ہیں اُن پر عمل کرنے سے معاشرے میں موجود ظلم و فساد میں کچھ کمی واقع ہوتی اور اجتماعی حالت نسبتاً بہتر بن جاتی ہے، چوتھی

وجہ ان تین قسم کی معاشیات تعلیمات کے درمیان فرق و مغایرت کی یہ ہے کہ عدل پر مبنی جو مستقل اور حقیقی قوانین کی طرح کی معاشی تعلیمات ہیں وہ اپنی وضع و ساخت کے لحاظ سے ایک ہی متعین شکل رکھتی ہیں نظری طور پر بھی اور عملی طور پر بھی، جب کہ احسان پر مبنی جو اخلاقی نوعیت کی تعلیمات ہیں ان کی نظری اور عملی طور پر ایک سے زیادہ بکثرت شکلیں ہو سکتی ہیں، اسی طرح وقتی مصلحت پر مبنی جو عارضی اور عبوری قسم کی قانونی تعلیمات ہیں ان کی بھی نظری اور عملی طور پر کوئی ایک متعین شکل نہیں بلکہ ایک سے زیادہ کثیر التعداد شکلیں ہو سکتی ہیں اس کی وجہ یہ کہ اول الذکر تعلیمات جس عدل پر مبنی ہیں اس میں مساوات و برابری کا تصور ہے اور ثانی الذکر تعلیمات جس احسان پر مبنی ہیں اس میں زیادہ کا تصور ہے جب کہ آخر الذکر تعلیمات جس مصلحت پر مبنی ہیں اس میں کم اور ادھوے کا تصور ہے اور چونکہ لین دین کے کسی معاملہ میں مساوات کی صرف ایک شکل ممکن ہوتی ہے لہذا عدل و مساوات پر مبنی تعلیمات بھی صرف ایک ہی شکل ممکن ہے اور اس کے بالمقابل چونکہ زیادہ اور کم کی بکثرت شکلیں ہو سکتی ہیں لہذا زیادہ اور کم پر مبنی تعلیمات کی بکثرت شکلیں ہو سکتی ہیں، اس بات کی مزید وضاحت کے لیے ایک مثال پیش کرتا ہوں ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے میرا یہ کام کرو تو اس کی اجرت مثلاً دس روپے ہوگی دوسرا وہ کام کر دیتا ہے تو دس روپے کا حقدار ٹھہراتا ہے اب اگر وہ کام کرانے والا کام کرنے والے کو پورے دس روپے دیتا ہے تو عدل کی شکل اور دس سے زیادہ دیتا ہے تو احسان کی شکل اور دس سے کم دیتا ہے تو ظلم کی شکل قرار پاتی ہے، اس مثال میں نظری اور عملی طور پر عدل کی صرف ایک شکل اور دس سے کم دیتا ہے تو ظلم کی شکل قرار پاتی ہے، اس مثال میں نظری اور عملی طور پر عدل کی صرف ایک شکل ہے یعنی پورے دس روپے دینا، اور احسان کی بے شمار شکلیں ہو سکتی اس لیے کہ دس روپے پر زیادہ کی بے شمار شکلیں ہو سکتی ہیں دس روپے پر مثلاً ایک پیسہ زائد ہو تو احسان کی ایک شکل، ایک روپیہ زائد ہو تو دوسری شکل پانچ روپے زائد ہوں تو تیسری شکل اور دس روپے زائد ہوں تو چوتھی شکل غرضیکہ مذکورہ معاملے میں احسان کی سینکڑوں ہزاروں شکلیں ہو سکتی ہیں، اسی طرح مثال مذکور میں دس روپے سے کم کی پیسوں کے لحاظ تو سو ننانوے اور ردیوں کے لحاظ سے نو شکلیں ہو سکتی ہیں اور ہر ایک ظلم و حق تلفی کا مصداق قرار پاتی ہے، اس مثال سے یہ بھی واضح ہوا کہ لین دین کے مالی معاملہ میں عدل کے تعین پر احسان اور ظلم کے تعین کا دار و مدار ہے اور یہ کہ عدل گویا احسان اور ظلم کے درمیان حد فاصل ہے جس کی ایک طرف کا نام احسان اور دوسری طرف کا نام ظلم ہے لہذا جب تک کسی معاملہ میں عدل کی شکل متعین و معلوم نہ ہو، اس میں احسان اور ظلم کی شکلیں متعین و معلوم نہیں ہو سکتیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام کے معاشی نظام کو ایک متعین شکل میں مرتب اور پیش کیا جاسکتا ہے تو صرف اس کی ان معاشی تعلیمات کی بنیاد پر جو

عدل پر مبنی ہونے کی وجہ سے مستقل و حقیقی قوانین اور واجب العمل فرض احکام کی حیثیت رکھتی ہیں نہ احسان والی اخلاقی تعلیمات کی بنیاد پر مرتب و پیش کیا جاسکتا ہے اور نہ وقتی مصلحت والی عارضی اور عبوری تعلیمات کی بنیاد پر جو عبوری حالات سے تعلق رکھتی ہیں۔

علاوہ ازیں اسلام کے معاشی نظام کی سرمدیہ دالانہ اور اشتراکی معاشی نظاموں پر عقلی و نظوی لحاظ سے بہتری و برتری ثابت کی جاسکتی ہے تو وہ بھی اس کی اُن معاشی تعلیمات کی بنیاد پر جو عدل پر مبنی مستقل اور حقیقی قوانین کی حیثیت رکھتی ہیں، جہاں تک احسان و ایثار پر مبنی اخلاقی نوعیت کی معاشی تعلیمات کا تعلق ہے اُن کی تعلیم و ترغیب صرف دین اسلام میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر سماوی دین و مذہب میں موجود ہے بلکہ لادین قسم کے انسانی معاشروں میں بھی ایسے لوگوں کو اچھا سمجھا اور عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے جو ازراہ ہمدردی اور خیر خواہی دوسروں کے لیے مالی ایثار کرتے اور رفاه عام کے مصارف میں دل کھول کر حصہ لیتے ہیں حالانکہ وہ قانوناً اس کے پابند نہیں ہوتے گویا احسان والی اخلاقی تعلیمات پر عمل کی ترغیب تمام ادیان اور تمام معاشروں میں پائی جاتی ہے یہ دوسری بات ہے کہ اس قسم کی اخلاقی تعلیمات پر عمل کی ترغیب تمام ادیان اور تمام معاشروں میں پائی جاتی ہے یہ دوسری بات ہے کہ اس قسم کی اخلاقی تعلیمات پر عمل کرنے کے جو معنوی اور روحانی محرکات اسلامی ہدایات میں ہیں وہ بہت قوی و زیادہ پائیدار ہیں۔ بہر حال اسلام میں جو اخلاقی نوعیت کی معاشی تعلیمات ہیں اُن کی بنا پر اسلام کے معاشی نظام کی بہتری و برتری دوسرے معاشی نظاموں پر ثابت نہیں کی جاسکتی اسی طرح اسلام کی اُن معاشی تعلیمات کی بنا پر بھی اسلامی معاشی نظام کی دوسرے معاشی نظاموں پر بہتری اور برتری ثابت نہیں کی جاسکتی جو ناموافق عبوری حالت سے متعلق عبوری اور وقتی احکامات کی حیثیت رکھتی ہیں کیونکہ اُن کے اندر کچھ نہ کچھ ظلم و حتی تلفی کی برائی ضرور موجود ہوتی لہذا وہ خلاف عدل ہونے کی وجہ سے منشاءً اسلام کے مطابق نہیں ہوتیں اور ان کا اختیار کرنا ”مَلَا يُدْرِكُ كَلْمًا لَا يُدْرِكُ كَلْمًا“ کے طور پر ہوتا ہے یعنی جب مطلوبہ شے پوری نہ مل سکتی ہو بلکہ ادھوری مل سکتی ہو تو وقتی طور پر اسی کو اختیار کر لیا جائے اور پوری کے لیے کوشش جاری رہے، یا یوں کہیے کہ ان کا اختیار کرنا اَهُوْنَ الْمُبْتَئِبِينَ اور اَخَفَ الشَّرِّينَ کے طور پر ہوتا ہے یعنی جب دو برائیوں میں سے ایک کا اختیار کرنا ضروری و ناگزیر ہو تو وقتی طور پر کم درجہ کی برائی کو اختیار کر لیا جائے یعنی نفرت کے ساتھ اور بالآخر چھوڑ دینے کے ارادہ سے بہر حال یہ عبوری حالات سے تعلق رکھنے والی معاشی تعلیمات ہرگز ایسی نہیں جن کی بنا پر اسلامی معاشی نظام کے بہتر ہونے کا دعویٰ کیا جاسکتا ہو۔

خلاصہ یہ کہ قرآن و حدیث میں معاشی نوعیت کی جو تین طرح کی تعلیمات ہیں وہ اپنی اساس و بنیاد

اپنی حقیقت و ماہیت، اپنی شرعی حیثیت و اہمیت، اپنے منشاء و مقصد اور اپنے معروضی اثرات و نتائج کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف اور جدا ہیں اُن میں سے ہر ایک کے اطلاق کا محل و موقعہ الگ اور جدا ہے لہذا اُن کو آپس میں خلط ملط کرنا اور ملانا، اصولاً غلط قرار پاتا اور اُن کے بگاڑ کا باعث بنتا ہے، اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہوتا کہ اُن میں سے بعض کو یا اور بعض کو نظر انداز کر دیا جائے کیونکہ ان میں سے ہر نوع کی تعلیمات بجائے خود اہم اور ضروری ہیں اگرچہ ان کا محل و موقعہ ایک دوسرے سے جدا ہے۔

جہاں تک میرے مطالعے اور تفحص کا تعلق ہے اسلامی معاشیات پر لکھی گئی کسی تحریر اور چھوٹی بڑی کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گزرا کہ کسی نے اسلام کی مذکورہ تین قسم کی معاشی تعلیمات پر بحث فرمائی ہوگی بلکہ اس طرف توجہ گئی ہی نہیں اور یہ حقیقت نگاہوں سے اوجھل رہی چنانچہ اس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ اسلامی معاشیات پر لکھنے والے بعض حضرات نے مذکورہ تین قسم کی تعلیمات کو اصل بے جوڑ طریقہ سے آپس میں خلط ملط اور گڑبگڑ دیا دوسرے بعض حضرات نے صرف ایک نوع کی معاشی تعلیمات کو اسلام کی اصل معاشی تعلیمات قرار دے کر باقی تعلیمات کو تاویل کے ذریعے نظر انداز کر دیا۔ مثلاً بعض نے احسان والی اخلاقی تعلیمات کو اصل قرار دے کر عدل اور مصلحت والی معاشی تعلیمات کو نظر انداز کر دیا اور بعض نے اس کے برعکس عدل والی تعلیمات کو اصل ٹھہرا کر احسان اور مصلحت والی تعلیمات سے صرف نظر کیا اور بعض نے بے سوچے سمجھے عدل والی مستقل قسم کی قانونی تعلیمات کو وقتی مصلحت والی عارضی قانونی تعلیمات سے ملا کر ایسا مجموعہ مرکب پیش کیا جس کے اجزاء کے مابین اتحاد کی بجائے تضاد پایا جاتا تھا گویا اسلامی معاشیات کے متعلق علماء کرام کے درمیان جو اختلاف ہے اُس کا ایک خاص سبب یہ بھی ہوا کہ قرآن و حدیث میں جو تین طرح کی معاشی تعلیمات اور ان کے درمیان فرق و مغایرت کی جو متعدد وجوہ تعین اُن کی طرف ذہن نہ لگیا اور وہ نگاہ سے اوجھل رہیں، بنا بریں ضروری ہے کہ اسلام کے معاشی نظام پر عملی کام کرنے والی جماعت مذکورہ حقیقت کو پوری طرح اور لازمی طور پر ملحوظ دماغ نظر رکھے تاکہ اسلام کے معاشی نظام کا خاکہ متفقہ صورت میں سامنے آئے۔

اسلامی معاشیات کے متعلق علماء اسلام کے مابین جو اختلافات ہیں اُن کا دوسرا سبب میرے نزدیک بحث و تحقیق کا وہ طریقہ ہے جو بعض جزوی معاشی معاملات کی شرعی حیثیت متعین اور معلوم کرنے کے لیے عام طور پر اختیار کیا گیا، بحث و تحقیق کے اُس طریقہ سے مراد وہ طریقہ ہے جس میں کسی کُل کے اجزاء میں سے ایک جزو کی جزوی حقیقت اور حیثیت متعین کرنے میں نہ کُل کے مفقود وجود کو اور نہ اُس کے بقیہ اجزاء کو سامنے رکھا جائے بلکہ صرف دوسرے خارجی دلائل سے فائدہ اٹھایا جائے جن کی تعبیر و تشریح میں مختلف آراء کی گنجائش پائی جاتی ہو، چونکہ بحث و تحقیق کا یہ طریقہ جن دلائل پر مبنی ہوتا اُن میں اختلاف کی گنجائش موجود ہوتی ہے لہذا نتائج

Safety MILK
THE MILK THAT
ADDS TASTE TO
WHATEVER
WHEREVER
WHENEVER
YOU TAKE
YOUR SAFETY
IS OUR **Safety MILK**

